الجامع لاحکام القرآن سے۔ دونوں کتابوں کے مولفین کو بھی یہ گمان نہ گزرا کہ وہ یہ فتاویٰ نقل کرتے ہوئے کسی گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

۴۔ ایک فتویٰ علامہ ابوبکر کا ہے' جسے خلاصۃ الفتاوی کے مولف نقل کرتے ہیں۔ دوسرے فتوے کی نسبت امام شافعی کی طرف ہے' جسے قرطبی نے نقل کیا ہے۔ ابوبکر اور امام شافعی جیسے بزرگوں کے علم و تقویٰ اور دینی حس کو بھی کوئی کھٹک محسوس نہ ہوئی کہ وہ ایسے فتوے دے کر کسی گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ اگر ان فتاویٰ کو نقل کرنا گناہ ہے' تو اصل گناہ گار ابوبکر اور شافعی ثابت ہوں گے جنھوں نے ایسے فتوے دینے کی جسارت کی' پھر کسی درجہ میں قرطبی۔

۵۔ فاضل مصنف نے حوالے نقل کرتے ہوئے پوری احتیاط ملحوظ رکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "قرآن مجید کی حرمت' انسانی اعضا کی حرمت سے زیادہ صراحت کے ساتھ ثابت ہے۔ یہاں تک کہ بے وضو اسے چھونا بھی جائز نہیں۔ لیکن علاج کے لیے فقہا نے آیات قرآنی بھی ناپاک چیزوں سے لکھنے کی اجازت دی ہے"۔ سوال یہ نہیں کہ فقہا نے یہ رائے دی ہے یا نہیں' وہ تو بہرحال دی ہے۔ یہ بھی نہیں کہ یہ رائے صحیح ہے یا نہیں۔ غلط ہو سکتی ہے۔ بلکہ استدلال یہ ہے کہ اگر فقہا علاج کے لیے قرآن مجید جیسی محترم کتاب کو اس طرح لکھنا جائز قرار دے سکتے ہیں' تو انسانی اعضا کی پیوند کاری علاج کے لیے کیوں ناجائز ہوگی۔

دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں کہ "ناقلین نے تو یہاں تک نقل کر دیا ہے کہ امام شافعی نے ..... الخ"۔ آپ الفاظ پر غور کیجیے' وہ اس کی نسبت امام شافعی کی طرف براہ راست نہیں کر رہے۔ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی کر رہے ہیں کہ "یہاں تک نقل کر دیا ہے"۔ پھر لکھتے ہیں کہ "اہل علم نے اس پر گرفت کی"' فقہا شوافع نے اس رائے سے رجوع کیا' اور یہ قرار دیا کہ "شارع کے نزدیک انبیا کی نعش کی حرمت مضطر کی روح سے بڑھی ہوئی ہے"۔

آپ کی نظر آگے اور پیچھے ان تمام احتیاطی اور استثنائی کلمات پر سے تو اچٹ گئی' جن کی وجہ سے ایڈٹ کرتے ہوئے مجھے کسی حذف کی ضرورت محسوس نہ ہوئی' لیکن صرف اس پر اٹک گئی کہ ترجمان القرآن میں "یہ جملے" چھپے ہیں' اور یہ ایک گناہ کا ارتکاب ہوا ہے۔

۶۔ میں نے پورا مقالہ پڑھا تھا' اور کیونکہ میں نے ہر بات کو سیاق و سباق میں پڑھا تھا اس لیے مجھے یہ بالکل نہ کھٹکی۔ اگر یہ بات مجھے کھٹکتی تو یہ بالکل اسی طرح کی بات ہوتی کہ میں اس بات پر کھٹکتا کہ قرآن میں "لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوۃ" لکھا ہے' قرآن میں مضطر کو سؤر کا گوشت کھانے کی اجازت دی گئی ہے مجبور آدمی کو کلمۂ کفر کہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ میں ان باتوں کو حذف کر سکتا تھا' لیکن یہ ایسا ہوتا جیسے

یہ کہ میں قرآن سے لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ یا فَمَنِ اضْطُرَّ کے الفاظ حذف کر دیتا۔

۷۔ پھر اگر ہم اسی طرح حذف کرنے پر آئیں' تو ہمیں تفسیر' حدیث اور فقہ کے قیمتی ذخیروں سے بے شمار باتیں حذف کرنا ہوں گی۔ یا پھر ان کے حوالے دینے سے احتراز کرنا ہو گا۔ کیا ہم اس بات کے لیے تیار ہیں؟

۸۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس سے ترجمان کی دعوتی حیثیت مجروح ہوتی ہے' تو حقیقت یہ ہے کہ ترجمان ہمیشہ سے علمی بھی رہا ہے اور دعوتی بھی۔ علمی ہونا اور دعوتی ہونا باہم متناقض امور بھی نہیں ہیں۔ دعوت کے وسیع مفہوم میں یہ شامل ہے کہ عہدِ حاضر کے مسائل پر بحث' مذاکرہ اور ان کے حل کی تلاش کی جائے۔

۹۔ اب دوستوں کی عادت ہو گئی ہے کہ وہ چھوٹتے ہی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ مولانا مودودی" کے زمانے میں ترجمان میں ایسی اختلافی باتیں نہیں ہوتی تھیں۔ یہاں تو یہ باتیں بطریق استدلال اور حوالوں سے نقل ہوئی ہیں' اور دیر کا مقام تو نہ مفتی کا ہے نہ مجتہد کا' (صاحب مقالہ کا ضرور ہے) مولانا مودودی" تو خود مجتہد اور مفتی تھے' مفکر بھی تھے۔ انھوں نے ترجمان میں جو اپنی آرا اور فتاوی شائع کیے ہیں' ان میں سے بعض کی بنیاد پر بڑا اختلاف پیدا ہوا' اور ان کے خلاف بہت سے فتوے جاری ہوئے۔

۱۰۔ بہرحال آیندہ میں آپ جیسے قارئین کی سوچ اور فکر کو بھی سامنے رکھا کروں گا۔ لیکن جہاں دور دوراں میں کوئی اپنی رائے دے رہا ہوں نہ فتویٰ' میں اس کی ضمانت نہیں دے سکتا کہ آیندہ سلف میں سے بھی کسی کی ایسی رائے نقل نہ ہو گی جو آپ کو ناگوار ہو۔

ترجمان' اسلام اور امت کے مستقبل کا نقیب بھی ہے' آج کے سلگتے ہوئے سوالات کا جواب دینے یا کم سے کم تیار کرنے کا عزم رکھتا ہے۔ سلف کے درمیان بھی جب اختلافات ہوئے' تو نئے مسائل پر آج بھی اختلاف ہوں گے' لیکن بحث و تحیص کے علاوہ ان کا حل نکلنا ممکن نہیں۔ قارئین کو جس عالم پر اعتماد ہو اس کی پیروی کریں' لیکن ترجمان کے صفحات کو آج کے سلگتے ہوئے مسائل پر بحث و مذاکرہ سے پاک رکھنے پر اصرار نہ کریں۔ (خرم مراد)

کتاب نما

رودادِ قفس، جلد دوم: سید علی گیلانی۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز ایف ۷/۱، مرکز اسلام آباد۔ صفحات: ۲۱۲۔ قیمت: ۱۲۰ روپے۔

اس کتاب کا پہلا حصہ ایک برس پہلے شائع ہوا تھا۔ (اس پر تبصرہ، فروری ۱۹۹۴) زیر نظر حصہ، اسی تسلسل میں جزو ۴۴ سے ۷۰ پر مشتمل ہے۔ آپ بیتی کا یہ حصہ سنٹرل نینی جیل الٰہ آباد اور "روز فارم" مانڈی کے زمانہ اسارت کی روداد پر محیط ہے۔

سید علی گیلانی کی یہ آپ بیتی روایتی قسم کی داستان حیات نہیں، بلکہ پسِ دیوارِ زنداں گزرے ہوئے ماہ و سال کا ایسا تذکرہ ہے، جو اپنے اندر لکھنے والے کے محسوسات، واردات اور ذہنی ردِّعمل کے علاوہ اس کے رفقائے زنداں کے شب و روز، اہلِ وطن کی حالتِ زار، بھارت کی نام نہاد سیکولر جمہوریت، جدوجہد آزادی اور جہاد کشمیر کی پوری ایک داستان لیے ہوئے ہے۔ دلچسپ، دل گداز، معلومات افزا اور عبرت انگیز و سبق آموز۔

جیل میں اسیروں کی حالت کیا تھی؟ علی گیلانی بتاتے ہیں: "گرمیوں کی شدت، کال کوٹھڑیوں کی تنگی، پنکھوں سے محرومی، لیمپ اور ٹیوب کی اضافی گرمی، کھدر کے کھردرے کپڑے، پانی کی راشن بندی، ناقص اور ناموافق غذا، دودھ دہی کی شکل تک دیکھنے سے محرومی، ان سب اسباب نے ہماری زندگی بڑی تلخ بنا دی تھی اور ہم لوگ جسمانی اعتبار سے روز بروز نڈھال ہوتے جا رہے تھے" (ص ۷۷)۔ لیکن زندانی کمال صبر و استقامت سے ہر طرح کے مصائب و شدائد اور سختیاں برداشت کرتے رہے کہ وہ قلبِ سلیم اور ایمانِ مستقیم کی دولت سے مالا مال تھے۔

سید علی گیلانی نے "دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت" ہونے کی دعویدار حکومت کے اوچھے ہتھکنڈوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ سنگ دلی، بے انصافی، آئین و قانون کی پامالی، سیاسی انتقام اور سامراجی طور طریقے، وہ کہتے ہیں کہ گذشتہ ۴۴ برسوں میں بھارت میں اقلیتوں پر دل دہلا دینے والے ظلم ہوئے ہیں، جن کے رستے ہوئے زخموں نے بھارت کے سیکولرازم اور جمہوریت کے چہرے کو داغ دار اور